لغات و اعرابِ قرآن (۴۴)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۹)

آیات ۴۲ ـــ ۴۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے اور اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبرا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۹ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

۲ : ۲۹ : ۱ اللغۃ

[و] عاطفہ ہے جو اگلے اور پچھلے جملے کو ملاتی ہے۔ [لَاتَلْبِسُوْا] کا مادہ "ل ب س" اور وزن "لاتفعِلُوا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے استعمال

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے جن سب میں بنیادی اور مشترک مفہوم "چھپا دینا اور پردہ ڈالنا" کا ہوتا ہے مثلاً

① لبَس .... یلبَس لَبَساً (نصر سے) کے معنی ہیں "... کو اپنے بارے میں شک اور الجھن میں ڈال دینا" مثلاً "لبسنی" "اس نے مجھ کو اپنے (اس کے) بارے میں اشتباہ پیدا کر دیا" قرآن میں اس استعمال کی کوئی مثال نہیں ہے۔

② "لبَس .. (۱) .. یلبِس لَبساً علی .. (۲) .." (ضرب سے) آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ".. (۱) .. کو .. (۲) .. پر مشتبہ کر دینا یا .. (۲) .. کے لیے .. (۱) .. میں اشتباہ پیدا کر دینا" مثلاً کہتے ہیں "لبَس الامرَ علیه" (اس نے اس پر معاملہ مشتبہ کر دیا)۔ قرآن کریم میں اس کی مثال الانعام: ۹ میں ہے۔

③ لبَس .. (۱) .. یلبِس لَبساً بِ .. (۲) .. (ضرب سے ہی) آتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "(۱) کو (۲) کے ساتھ خلط ملط کر دینا" یا "(۱) کو (۲) کے ساتھ گڈمڈ کر دینا" مثلاً کہتے ہیں: "لبَس الحقَّ بالباطل" (اس نے حق کو باطل سے خلط ملط کر دیا) یہ "ملا دینا" حسی چیزوں (مثلاً سونا اور پیتل یا گندم اور جَو) کی بجائے معنوی چیزوں (مثلاً سچ اور جھوٹ یا صحیح اور غلط) کو ملا جلا دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں یہ فعل ان ہی معنی کے لیے آیا ہے۔ اسی لیے "لاتلبسوا" کا ترجمہ "مت ملاؤ" گڈمڈ نہ کرو، نہ ملاؤ، خلط ملط مت کرو" سے کیا گیا ہے۔

④ "لبِس .... یلبَس لُبساً" (سمع سے) آئے تو اس کے معنی: .... کو پہننا، پہن لینا" ہوتے ہیں۔ اس کا مفعول پہننے کا کوئی کپڑا (چادر قمیص وغیرہ) آتا ہے مثلاً کہیں گے لبِس الثوبَ: (اس نے کپڑا پہنا)۔

● اس فعل کی آخری (مندرجہ بالا) تینوں صورتیں قرآن کریم میں مستعمل ہوئی ہیں۔ قرآن کریم اس فعل مجرد سے فعل کے مختلف صیغے گیارہ[۱۱] جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سے مندرجہ بالا ۲ والے معنی کے لیے چار جگہ ۳ والے معنی کے لیے تین جگہ اور ۴ کے لیے بھی چار جگہ استعمال ہوا ہے۔ عام عربی زبان میں یہ فعل مجرد و مزید فیہ بعض دیگر معانی اور محاورات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاہم اس طرح کا استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا —— البتہ اس مادہ سے ماخوذ بعض اسماء (مثلاً لباس، لَبوس اور مصدر لُبْسٌ وغیرہ) دس بارہ جگہ آتے ہیں۔ ان پر حسبِ موقع بحث ہوگی ان شاء اللہ۔

[الْحَقَّ] کا مادہ "ح ق ق" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَعْلٌ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد (حقّ یحِقّ حقًّا) کے باب معنی اور استعمال پر —— بلکہ خود اس لفظ (الحق) کے معانی وغیرہ پر البقرہ: ۲۶ [۲: ۱۹: ۱(۶)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ پچھلے فعل (لاتلبسوا)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی وجہ سے یہاں "اَلْحَقَّ" کا ترجمہ "حق کو، حق میں، سچ کو، سچ میں اور صحیح میں" کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۲ : ۲۹ : ۱ (۲) [بِالْبَاطِلِ] ابتدائی "باء (بِ)" جس کا اردو ترجمہ "کے ساتھ" ہے، کے استعمال و معانی پر استعاذہ کی بحث میں بات ہوئی تھی۔ یہاں یہ "ب" اوپر بیان کردہ فعل (ولا تلبسوا) کے صلہ کے طور پر آئی ہے [دیکھیے ۲ : ۲۹ : ۱ میں ۳] ۔ اور لفظ "الباطل" کا مادہ "ب ط ل" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَاعِلٌ" ہے (جو یہاں باء الجر کی وجہ سے مجرور آیا ہے)

● اس ثلاثی مادہ (بطل) سے فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً

① بطَلَ یبطُلُ بُطلاً و بُطلاناً (نصر سے) آئے تو اس کے معنی: "ضائع ہو جانا، ناجائز ہو جانا، بے اثر ہونا اور غلط ثابت ہونا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "بطَلَ البیعُ" (سودا ناجائز ہو گیا) یا "بطَلَ الدلیلُ" (ثبوت غلط ثابت ہو گیا۔ بے اثر ہو گیا) اور اس چیز کو "باطل" کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ لفظ (باطل) بھی اردو میں مستعمل ہے اس لیے اس فعل کا ترجمہ "باطل ہو جانا یا باطل ثابت ہونا" بھی کر سکتے ہیں۔

② اور اسی باب (نصر) سے "بطَلَ یبطُلُ بِطالۃً" (مصدر کا فرق اور اس کی ابتدائی "ب" کا مثلث الحرکات ہونا نوٹ کیجئے) کے معنی "بے کار ہونا، کام (مزدوری، ملازمت وغیرہ) کے بغیر ہونا" مثلاً کہتے ہیں "بطَلَ العاملُ او الاَجیرُ" (مزدور بے کار ہو گیا) اس فعل سے اسم صفت "بَطّالٌ" (بے کار۔ بے روزگار) بنتا ہے۔

③ باب سمع سے "بَطِلَ یبطَلُ بَطالۃً" کے معنی ہیں۔ "بات میں غیر سنجیدہ ہونا، فضول بات کرنا"۔ ایسے آدمی کو "بَطِلٌ" کہتے ہیں۔

④ اور "بطُلَ یبطُلُ بُطولۃً" (باب کرم سے) آئے تو اس کے معنی "بہادر ہونا، جرأت اور ہمت والا ہونا" ہوتے ہیں۔ اور ایسے آدمی کو "بَطَلٌ" کہتے ہیں جس کی جمع "اَبطال" ہوتی ہے۔

● آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ مذکورہ بالا چاروں معنی کے لحاظ سے یہ فعل ہمیشہ لازم ہی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے صرف ایک صیغہ (فعل ماضی کا) ایک جگہ (الاعراف: ۷: ۱۱) آیا ہے اور وہ بھی صرف پہلے معنی (غلط ثابت ہونا، باطل ہو جانا) میں استعمال ہوا ہے۔ مذکورہ بالا باقی (تین معنی) کے لیے یہ فعل قرآن میں کہیں نہیں آیا ـــــ البتہ مزید فیہ کے باب افعال سے مختلف افعال اور اسماء مشتقہ کے صیغے نو (۹) جگہ آئے ہیں۔ ان کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ کلمہ "الباطل" اسی فعل مجرد کے مذکورہ بالا پہلے معانی (غلط ثابت ہونا) سے اسم

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

الفاعل ہے۔ بلحاظ معنی یہ کلمہ "حق" کی ضد ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بالعموم "جھوٹ" ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی بے حقیقت، غلط یا نادرست چیز۔ لفظ "حق" کے مختلف معانی البقرہ ۲۶ [۲:۱۹:۱(۶)] میں بیان ہوتے تھے ان کی ضد (مخالف معنی) کے ذریعے "باطل" کے معنی سمجھے جا سکتے ہیں۔ ویسے لفظ "حق" کی طرح یہ لفظ (باطل) بھی اردو میں اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ مستعمل ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (باطل) مختلف صورتوں میں ۲۶ جگہ وارد ہوا ہے اور زیادہ تر معرف باللام (الباطل) ہی استعمال ہوا ہے۔ پچھلی عبارت (لا تلبسوا الحق) کی وجہ سے یہاں "بالباطل" کا ترجمہ "ناحق کے ساتھ، باطل کے ساتھ، جھوٹ کے ساتھ" کیا گیا ہے۔

[وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ] میں واو عاطفہ (بمعنی اور) کے بعد لفظ "تَكْتُمُوا" ہے جو دراصل "تکتمون" تھا۔ (اس کے آخری "نون" کے گر جانے کی وجہ بحث "الاعراب" میں بیان ہوگی) اس لفظ کا مادہ "ک ت م" اور (موجودہ) وزن "تَفْعَلُوا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (کتَم . . . یکتُم کِتمانا چھپانا چھپائے رکھنا) کے باب معنی اور استعمال پر البقرہ۔ ۳۳ [۲:۲۳:۱(۳)] میں بات ہو چکی ہے۔

آخری کلمہ "الحق" پر ابھی اوپر [اور ۲:۱۹:۱(۶) میں] بات ہوئی ہے۔

[وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ] "وَ" (جو یہاں حالیہ بمعنی "حالانکہ" ہے) کے استعمالات پر الفاتحہ: ۵ [۱:۴:۱(۳)] اور البقرہ: ۸ [۲:۷:۱(۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ "انتم" ضمیر مرفوع برائے جمع مذکر حاضر (بمعنی تم سب) ہے اور "تَعْلَمُوْنَ" کا مادہ "ع ل م" اور وزن "تَفْعَلُوْنَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (عَلِم . . . یعلَم = جاننا) کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ: ۲ [۱:۲:۱(۴)] نیز البقرہ: ۱۳ [۲:۱۰:۱(۳)] میں مفصل بات ہو چکی ہے ___ یہاں ابتدائی "واو" کے حالیہ ہونے کی وجہ سے اس عبارت (وانتم تعلمون) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "درانحالیکہ یا حالانکہ تم جانتے ہو / جان رہے ہو" ___ بعض نے تاکید کے لیے (اردو محاورے کے مطابق) "جان بھی رہے ہو" سے ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ اکثر نے اس جملہ (حالیہ) کا بامحاورہ اردو ترجمہ "جان کر، جان بوجھ کر، دیدہ و دانستہ" کی صورت میں کیا ہے ان سب میں "حال" کا مفہوم موجود ہے

[وَاَقِيْمُوا] کی ابتدائی "واو" عاطفہ ہے اور "اَقِيْمُوا" کا مادہ "ق و م" اور وزن اصلی "اَفْعِلُوا" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اَقْوِمُوا" تھی جس میں حرف علت (و) کی حرکت (ـِ) ماقبل حرف صحیح (ق) کو دے کر خود اس واو کو ماقبل کی حرکت کسرہ (ـِ) کے موافق حرف (ی) میں بدل کر لکھتے اور بولتے ہیں اب اس (اقیموا) کا وزن تعلیل کے بعد "اَفِیْلُوا" رہ گیا ہے۔

یہ فعل (اقیموا) اسی مادہ (ق و م) سے باب افعال کے فعل "اَقام یُقیم اقامۃً"

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

(دراصل اَقْوِمُوْا یُقْوِمُ اِقْوامًا) بمعنی "قائم کرنا" سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس باب سے فعل امر کی گردان (تعلیل کے بعد) "اَقِمْ، اَقِیْمَا، اَقِیْمُوْا، اَقِیْمِیْ، اَقِیْمَا اور اَقِمْنَ" ہو گی ـــــ اس مادہ (قوم) سے فعل مجرد اور خود اس باب (افعال) کے فعل (اَقامَ یُقِیْمُ) کے معانی و استعمالات پر البقرہ: ۳ [۱:۲:۲ (۳)] میں مفصل بات ہو چکی ہے ـــــ "اَقِیْمُوْا" کا لفظی ترجمہ "قائم کرو، رکھو" بنتا ہے۔ جس کی بامحاورہ صورتوں سے بھی مذکورہ بالا مقام (۲:۲:۱(۳)) میں کلمہ "یقیمون" کے ضمن میں بحث کی گئی تھی۔

[الصَّلٰوۃَ] کے مادہ، وزن اصلی، فعل مجرد وغیرہ کے معانی اور لفظ صلٰوۃ کے "نماز" کے مترادف و ہم معنی ہونے پر بھی البقرہ: ۳ [۲:۲:۱ (۴)] میں بالتفصیل بحث گزر چکی ہے اور "اقامۃ الصلٰوۃ" کے معنی اور اس کے مختلف تراجم کا ذکر بھی وہیں کیا جا چکا ہے۔

۲:۲۹:۱(۳) [وَاٰتُوْا] میں ابتدائی واو عاطفہ کے بعد والے کلمہ "اٰتُوْا" کا مادہ "ا ت ی" اور وزن اصلی "اَفْعِلُوْا" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اُأْتِیُوْا" تھی۔ اس کے ابتدائی حصے میں تو ایک متحرک اور ایک ساکن ہمزہ کے جمع ہونے کی بنا پر "أأ = آ" بن گیا (اس کے قرآنی ضبط پر آگے بات ہو گی) ـــــ اور اس (اٰتِیُوْا) کا آخری حصہ (تِیُوْا) ناقص کے واو الجمع والے قاعدے" کے مطابق "تُوْا" میں بدل جاتا ہے اور یوں یہ لفظ "اٰتُوْا" بنتا ہے۔ اس مادہ (ا ت ی) سے فعل مجرد (اَتٰی یَأْتِیْ اتیانًا = آنا) کے باب معنی اور استعمال پر البقرہ: ۲۳ [۲:۱۷:۱ (۴)] میں بات ہوئی تھی۔

● زیر مطالعہ کلمہ (اٰتُوْا) اس مادہ سے باب افعال کا فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ باب افعال سے اس فعل "اٰتٰی . . . یُؤْتِیْ ایتاءً"[1] (دراصل أَأْتَیَ یُؤْتِیُ اِئْتَایًا) کے بنیادی معنی ہیں ". . . . کو . . . . دینا" ـــــ یعنی عموماً اس کے دو مفعول اور دونوں براہ راست (بنفسہ) آتے ہیں۔ ① جس کو دیا جائے اور ② جو چیز دی جائے جیسے "آتاہ اللّٰہ الملک" (البقرۃ: ۲۵۱) یعنی اللہ نے اس کو حکومت دی"۔ بعض دفعہ اس کا ایک مفعول محذوف ہوتا ہے پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں ① زیادہ تر تو پہلا مفعول (جس کو دیا جائے) محذوف ہوتا ہے۔ اس کی قرآن کریم میں تیس

[1] اس مادہ سے باب مفاعلہ کا فعل "آتٰی یُؤاتی مُؤاتاۃً" بھی عربی میں "موافقت کرنا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "آتَیَ فلانًا علی الامرِ" (اس نے فلاں کے ساتھ معاملے میں موافقت کی)، تاہم یہ استعمال قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ صرف "آتی" کی مشابہت کے باعث ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ باب افعال سے "آتی" اَفْعَلَ ہے اور باب مفاعلہ سے "آتی" فَاعَلَ ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

سے زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ (۲) اور بعض دفعہ دوسرا مفعول (جو چیز دی جائے) محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے۔ اس کی صرف ایک مثال قرآن کریم (النور: ۲۲) میں آتی ہے۔

● کبھی اس فعل (آتی یؤتی) کے معنی' موقع کے لحاظ سے' "لانا۔ لے آنا" بھی ہوتے ہیں جو در اصل "دینا" ہی کی ایک صورت ہے مثلاً کہتے ہیں "آتی زیدٌ اطعامًا" (وہ زید کے سامنے کھانا لایا) اور قرآن کریم میں ہے "آتِنا غداءَنا" (الکہف: ۶۲) جب اس فعل کا مفعول (ثانی) "زکوۃ" یا کوئی واجب شرعی ہو تو اس کا ترجمہ "ادا کرنا" سے بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں باب افعال کے اس فعل (آتی یؤتی) سے افعال اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے ۲۷۵ کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔

● یہاں اس (آتوا) کا ترجمہ "دو" کے علاوہ "دیا کرو" اور "دیتے رہو" سے بھی کیا گیا ہے جو تفسیری ترجمہ ہے یعنی اس میں کئی بار یا بار بار (ہر سال) زکوٰۃ ادا کرنے کا مفہوم ہے۔ جس کا ثبوت سنت سے ملتا ہے۔

۲:۲۹:۱ (۴) [الزَّکٰوۃ] کا مادہ "زک و" اور بقول بعض[1] "زک ی" ہے اور وزن اصلی (لام تعریف نکال کر) "فَعَلَۃٌ" ہے (جو یہاں منصوب ہے) گویا اس لفظ کی اصلی شکل "زَکَوَۃٌ یا زَکَیَۃٌ" تھی جس میں "واو یا یاء" ماقبل مفتوح الف میں بدل جاتی ہے اور یوں یہ لفظ "زکاۃ" بنتا ہے جس کی قرآنی املاء (رسم عثمانی) "زکوٰۃ" ہے۔ جو ایک طرح سے اس بات پر دلیل بھی ہے کہ اس کا مادہ واوی اللام ہے جس میں الف میں بدلنے والی "واو" کو لکھنے میں برقرار رکھا گیا ہے اگرچہ اسے پڑھا "الف" ہی جاتا ہے۔ لفظ "صلوۃ" کے بارے میں بھی یہی بات آپ پڑھ آئے ہیں۔ [دیکھئے ۲:۲:۱(۴)]

● اس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر "زکا یزکو زکاءً (در اصل زکَوَ یزکُوُ) باب نصر سے آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں "بڑھنا' نشوونما پانا' زیادہ ہونا" ـــــ اور یائی اللام مادہ کی صورت میں یہی فعل باب سمع سے "زکِیَ یزکَی زکیً" بھی اسی معنی کے لیے مستعمل ہے۔ ویسے یہ باب (سمع) واوی اللام سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ "زکِوَ یزکَوُ" بھی (رضِیَ کی طرح) پڑھا تو "زکِیَ یزکَی" ہی جائے گا اور اگر یائی اللام ہی ہو تو بھی (خشِیَ یخشَی کی طرح) پڑھا زکِیَ یزکَی جائے گا۔

● عربی زبان میں مذکورہ بالا معانی کے علاوہ یہ فعل (زکا یزکو) بعض دوسرے معانی (مثلاً نیک

---

[1] مثلاً الفیروز آبادی (القاموس المحیط)۔

© rasailojaraid.com

ہونا، پاکیزہ ہونا، عمدہ حالت میں ہونا وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ فعل ہمیشہ لازم ہی آتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ (یا ان دونوں مادوں سے) ثلاثی مجرد کا کوئی فعل (کسی معنی میں بھی) کہیں نہیں آیا۔ البتہ اس سے مشتق اسماء صفت (زکِیّ، زکیّۃ اور ازکی) پانچ چھ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے ابواب تفعیل اور تفعل سے افعال کے مختلف صیغے بھی بیس[2] کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ ان پر حسب موقع بات ہوگی ان شاء اللہ العزیز۔

● زیر مطالعہ لفظ "الزکوۃ" اپنے مادہ سے فعل مجرد کا مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ یعنی اس کے معنی "بڑھنا، نشوونما پانا، زیادہ ہونا، پاکیزگی والا ہونا" بھی ہو سکتے ہیں اور "برکت، نشوونما، بڑھوتری، پاکیزگی، عمدگی" وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں دو جگہ (الکہف: ۸۲ اور مریم: ۱۲) یہ لفظ بصورت نکرہ "زکوۃً" اپنے ان ہی لفظی معنی کے ساتھ (بطور مصدر یا اسم) آیا ہے۔ باقی قریباً تیس مقامات پر یہ لفظ معرف باللام ہو کر (الزکوۃ) استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لامِ تعریف ہی اس لفظ کو معہود ذہنی کے طور پر ایک خاص معنی دیتا ہے۔

● اسی طرح یہ لفظ "الزکوۃ" بھی "الصلوۃ" [۲ : ۲ : ۱ (۴)] اور "الآخرۃ" [۲:۳:۱ (۵)] کی طرح ایک اسلامی اصطلاح ہے جو اسلام نے عربی زبان کو دی ہے۔ اس کا اطلاق اس مالی عبادت پر ہوتا ہے جو مسلمانوں پر فرض ہے، جو اسلام کے پانچ بنیادی فرائض میں سے ایک ہے اور جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً نافذ فرما کر اس کے پورے اصول و ضوابط اور اس کے متعلق جملہ احکام (نصاب، شرح وغیرہ) کی تفصیلات بذریعہ تحریر و تقریر واضح فرما دیں۔ اور جو اپنے اسی اصل عربی نام (الزکوۃ) کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک تمام مسلم معاشروں میں رائج، متعارف اور جانی پہچانی اصطلاح ہے[1] اس لیے کسی مترجم نے بھی اس کا لفظی ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی بلکہ سب یہی لفظ استعمال کرتے ہیں اور "آتوا الزکوۃ" کا ترجمہ "زکوۃ دو، زکوۃ دیا کرو، زکوۃ دیتے رہو" سے ہی کیا ہے۔ مگر بعض منکرین سنت کو پوری اُمت اور اس کے ہر مکتبِ فکر کا ایک اصطلاح پر اتفاق صرف اس لیے "چبھتا" ہے کہ "زکوۃ" کے ان اصطلاحی معنی اور احکام کا منبع اور مصدر سنتِ رسول ؐ ہے۔ اس لیے انہوں نے "آتوا الزکوۃ" کا مفہوم "یوں بیان

---

[1] قرآن کریم کی بہت سی اصطلاحات کے فارسی مترادفات مشرقی اسلامی ممالک میں رائج ہو گئے ہیں اور اب یہ الفاظ اپنے اصل فارسی مفہوم کی بجائے قرآنی اور اسلامی اصطلاح کے بالکل ہم معنی استعمال ہوتے ہیں مثلاً اللہ کے لیے خدا، صلوۃ کے لیے نماز، صوم کے لیے روزہ، جنت کے لیے بہشت، جہنم کے لیے دوزخ، ملک کے لیے فرشتہ وغیرہ۔ تاہم بعض اصل قرآنی اصطلاحات ہی متعارف ہیں۔ ان میں سے ہی آخرت، حج اور زکوۃ ہیں۔ کسی اسلامی ملک اور اسلامی معاشرے میں ان الفاظ (اصطلاحات) کا ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ تشریح اور وضاحت الگ چیز ہے۔

© rasailojaraid.com

کیا ہے: "نوعِ انسان کی نشو و نما کا سامان فراہم کرو"۔ جو سوشلزم کے رائج الوقت روٹی، کپڑا اور مکان کے دلفریب نعرہ اور نظریات کی روشنی میں خاصا "چمکیلا" مفہوم ہے۔ مگر دانستہ یا نادانستہ دین کا حلیہ بگاڑنے اور اُمت کے اتفاق کو افتراق میں بدلنے کی کوشش ہے۔ البتہ کو لبس بننے کی خواہش کی تسکین کا سامان ضرور ہے۔

۲ : ۲۹ : ۱ (۵) [وَارْكَعُوْا] میں واو عاطفہ (وَ) کے بعد لفظ "اِرْكَعُوْا" ہے (جس کا ابتدائی ہمزۃ الوصل "واو" کے ساتھ ملنے کی بنا پر تلفظ سے ساقط ہو گیا ہے) اس (ارکعوا) کا مادہ "ر ک ع" اور وزن "اِفْعَلُوْا" ہے۔

اس مادہ سے فعل مجرد "رَكَعَ يَرْكَعُ رُكُوْعًا (فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "جھکنا یا جھک جانا" ہیں۔ چاہے اپنے ارادے سے سر یا بدن کو نیچے جھکایا جائے یا آدمی بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے (کمر دوہری ہو کر) جھک جائے۔ محاورے میں یہی فعل "مالی لحاظ سے پستی میں جانا" یعنی [illegible] اور "تواضع اور عاجزی اختیار کرنا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ فعل کبھی "الی" کے صلہ کے ساتھ بھی آتا ہے مثلاً "رَكَعَ اِلَى اللّٰهِ" کے معنی ہیں "اللہ کی طرف جھکنے میں سکون پانا"۔

● یہ تو اس فعل کے لفظی معنی تھے۔ مگر اس فعل کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص اصطلاحی معنی دیئے۔ بلکہ اس سے نماز کے لیے دو اصطلاحیں اخذ کی گئیں۔ یعنی "رکوع اور رکعت" (جس کی عربی املاء "رکعۃ" ہے) ـــــــ لفظ رکوع تو اس فعل مجرد کا مصدر ہے جس کے معنی "جھکنا" ہی ہیں۔ اور کلمہ "رکعۃ" اس فعل سے مصدر المرّۃ (جس میں فعل والے کام کے "ایک بار" ہونے کا مفہوم ہوتا ہے) ہے۔ یعنی اس کا مطلب "ایک بار جھکنا" ہے۔ مگر اب بطورِ اصطلاح "رکوع" نماز کے اندر اختیار کی جانے والی ایک خاص ہیئت ہے جب قیام کے بعد نمازی اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی پیٹھ اور سر کو افقی حالت میں زمین کے متوازی لاتا ہے اور اسے حالتِ رکوع کہتے ہیں۔ اپنے ان ہی اصطلاحی معنی کی بنا پر فعل "رکع یرکع" کا ترجمہ "رکوع کرنا" بھی کیا جا سکتا ہے ـــــــ اور "رکعت" (یا رکعۃ) نماز کے ایک خاص حصّے کا نام ہے کیونکہ اس میں ایک بار جھکنے یا رکوع کرنے کا عمل شامل ہوتا ہے۔ لفظ "رکعۃ" قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا مگر فعل "رَكَعَ يَرْكَعُ" کے مختلف صیغے پانچ جگہ اور اس سے مشتق مختلف اسماء چھ جگہ آئے ہیں۔

[مَعَ الرَّاكِعِيْنَ] اس میں "مَعَ" دو حرفی مادہ کا ایک اسم ہے (جسے بعض عرب قبائل "مَعْ" بھی بولتے ہیں)۔ یہ ظرف (زمان و مکان) کا کام دیتا ہے یعنی جگہ اور وقت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے [illegible] دو چیزوں کے "ایک ہی جگہ یا ایک ہی وقت میں باہم ساتھ ہونے اور

© rasailojaraid.com

اکٹھا ہونے" کا مفہوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لفظ (ہر ظرف کی طرح) مضاف ہو کر آتا ہے جیسے "مَعَکُمْ" (تمہارے ساتھ ایک ہی جگہ) اور" مع العصرِ" (عصر کے وقت کے ساتھ ہی) ___ اور کبھی یہ لفظ مضاف ہوئے بغیر بطور حال نکرہ منصوب ہو کر استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "خَرَجْنا معًا" (ہم ساتھ ہی بیک وقت نکلے)۔ یہ دوسرا استعمال (معًا والا) قرآن کریم میں نہیں آیا۔ البتہ مضاف ہو کر کسی جگہ استعمال ہوا ہے اور اس کا ترجمہ"۔ ۔ ۔ کے ساتھ'، ۔ ۔ ۔ کے ہمراہ'، (ایک ہی جگہ یا ایک وقت میں) کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے۔

● کلمہ" الراکعین" کا مادہ" ر ک ع" اور وزن (لامِ تعریف کے بغیر)" فاعلین' ہے۔ یعنی یہ لفظ ابھی اوپر بیان کردہ فعل مجرد" رَکَعَ یرکَعُ" سے اسم الفاعل کا صیغہ جمع مذکر سالم ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ" رکوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے یا جھکنے والے" ہوگا۔ اسی لیے اس آخری حصّہ آیت (وارکعوا مع الراکعین) کا لفظی ترجمہ" اور تم جھکو ساتھ جھکنے والوں کے"۔ جس کے لیے سلیس عبارت "جھکنے والوں کے ساتھ جھکو اور عاجزی کرنے والوں کے ہمراہ عاجزی کرو" اختیار کی گئی ہے اور اسی کا اصطلاحی ترجمہ" رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو" کیا گیا ہے جس میں نماز باجماعت کا مفہوم موجود ہے۔ بعض مترجمین نے فعل امر میں استمرار کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے (کہ نماز بار بار پڑھی جاتی ہے)" جھکا کرو اور جھکتے رہو" سے ترجمہ کیا ہے۔ جو نماز" ادا کرنا" کی مناسبت سے تفسیری ترجمہ ہے۔ اور بعض نے تفسیر کے لیے ترجمہ ہی" نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ جھکو" کر دیا ہے جو رکوع کے اصطلاحی معنی کی بنا پر ہی درست کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ لفظ سے تو ہٹ کر ہے۔

● اگرچہ یہاں لغوی معنی" جھکنا، عاجزی کرنا" بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ تاہم" مَعَ" میں ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں" اکٹھے" (یہ) کام کرنے کا جو مفہوم ہے نیز اس سے پہلے" اقیموا الصلٰوۃ" اور" آتوا الزکوۃ" کے خالص اصطلاحی الفاظ آتے ہیں۔ اس لیے یہاں" وارکعوا مع الراکعین" کے اصطلاحی معنی مراد لینا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ جس سے دوسرے لفظوں میں" باجماعت نماز پڑھنے" کی تاکید مراد لی جا سکتی ہے۔

● چونکہ ان تمام اصطلاحات (رکوع۔ راکع۔ رکعت وغیرہ) کی بنیاد سنّتِ رسولؐ ہے۔ اور پوری امت (جزوی اختلافات کے باوجود) اصل نماز اور اس کے ارکان (قیام۔ رکوع۔ سجود وغیرہ) کو جانتی اور سمجھتی ہے۔ شاید اسی" اتفاق" کو ناپسند کرتے ہوئے یہاں بھی منکرین سنت نے بڑی خوبصورتی سے ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی اس حصۂ آیت (وارکعوا مع الراکعین) کا" مفہوم" یوں بیان کیا ہے" تم بھی ان کے ساتھی بن جاؤ جو قوانینِ خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں"۔ جس سے بظاہر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ گویا اس حکم کا ارکانِ نماز سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ حالانکہ عبارت میں دونوں (لفظی اور اصطلاحی) معنی مراد لینے کی گنجائش موجود ہے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com